اورینٹل کالج لاہور میں پندرہ بیس برس تک علوم مشرقی کے پروفیسر رہے اور صد ہا شاگردوں نے آپ سے فیض پایا۔ پروفیسر آزاد کے ہم عصر تھے۔ سنا ہے کہ خود مولانا مرحوم حضرت صہبائی کے نامور تلمیذ تھے۔ چند شعر بڑی کوشش سے ہاتھ آئے جو بطور یادگار درج تذکرہ کئے گئے۔ مولانا شبلی کو بھی مرحوم سے تلمذ تھا۔

اس جفا پر بھی کی وفا ہم نے
کیا کیا تم نے کیا کیا ہم نے

کرتے ہیں رہ رہ کے نالہ ہائے فراق
خوب سوجھی ہے یہ دوا ہم نے

چھیڑ کر ان کو بزم دشمن میں
جو نہ سننا تھا وہ سنا ہم نے

کہتے ہیں جور بھی غنیمت ہے
جب کیا شکوہ جفا ہم نے

رونے میں نہ تھا جو تری آنکھوں کا تصور
آئے گل نرگس مرے دامن میں کہاں سے

کس نے لیا اس چاند سے رخسار کا بوسہ
یہ داغ لگا یار رخ روشن میں کہاں سے

اڑتی تھی ابھی خاک گلستاں میں خدایا
اک بار یہ پھول اُگے گلشن میں کہاں سے[2]

اردو کے علاوہ فارسی میں بھی اچھی شاعری کی ہے، نواب صدیق حسن خاں (م ۱۸۸۹ء) نے "شمع انجمن" میں منتخب شعری نمونے درج کئے ہیں ویسے فارسی کلام کا مجموعہ "نسیم فیض" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ فارسی کے کچھ شعر دیکھئے:

زاہد بریں مناز کہ دنیا گذاشتم — ایں ہمت من است کہ عقبیٰ گذاشتم
چوں پای خود بدامن راحت نمی کشتم — آسودگی بنقش کف پا گذاشتم

[redacted]

شرم آیدم کہ شکوہ درد جگر کنم — دست طبیب و پای مسیحا گذاشتم
این است فیض صحبت پیر مغاں کہ باز — زہد و صلاح و توبہ و تقویٰ گذاشتم[۳]

ان دونوں زبانوں میں انہوں نے تفنن طبع کی خاطر شاعری کی ہے اور بنیادی طور پر عربی شعروادب سے ہی حقیقی شغف رہا ہے۔ ہندوستان میں عربی کے چند جو اہم صاحب دیوان شعراء گزرے ہیں ان میں ایک اہم نام فیض الحسن کا بھی ہے ان کا عربی دیوان "دیوان الفیض" حیدرآباد سے شائع ہوا ہے جس میں ایک ہزار پانچ سو انچاس (۱۵۴۹) اشعار ہیں۔

عربی کے مختلف اصناف سخن میں انہوں نے شعر کہے ہیں۔ ان کے دیوان میں مدح، مرثیہ اور غزل کے بہترین عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے بزرگوں اور محسنوں کے مدحیہ قصیدے لکھے ہیں۔ ان خوش نصیب بزرگوں میں نواب کلب علی خاں (م ۱۳۰۴ھ) نواب محمد صدیق خاں علوی (م ۱۸۸۹ء) بھی شامل ہیں۔

نواب کلب علی خاں کی مدح میں کہے گئے چند شعر دیکھئے:

سمعت صباح الیوم صوناس الکدری — فهاج من التغرید ما لم اکن ادری
فنمت علی فوری و غردت مطربا — بکلب علیخان الکریم علی قدری
فتی جده فوق الجد و وجده — یعد مجدا فهو عین الغنی البدر
فمد و دله مرفوعة وهو لا یری — جفان له موضوعة وهو لا یدری
ابو الفیض یقری کل من ضیافه بان — یحکمه فی المرق واللحم والقدر[۴]

ان کے علاوہ دوسری ہستی نواب محمد صدیق خاں کی ہے جن کی علمی اور ادبی حیثیت سے مولانا بہت متاثر تھے۔ ان کی شان میں کہے گئے یہ شعر:

آآل علی ابشروا ثم ابشروا — بان فتی منکم کریم و خیبر
جواد کریم ارسلت قبل عارض — سری فغدا ید نومن الارض یمطر
کریم له عز و فضل و سودد — دعرق به یعلو و مجد و مفخر
له ذکر خیر فی النوادی وخیره — کثیر ولا ینفک یمنو ویکثر
تری کل صندید سوار و حوله — قیان ویجریه مغن و مزهر[۵]

اس کی واضح مثال ہیں:

مولانا نے مرثیے بھی بہت سے لوگوں کے کہے ہیں۔ جن میں کچھ بزرگ، کچھ اپنے دوست اور عزیز بھی شامل ہیں۔ بزرگوں میں فضل حق خیرآبادی اور احمد علی سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ) دوستوں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) مولوی احمد حسن مرادآبادی (م ۱۳۳۰ھ) اور مولوی سلطان حسن اور عزیزوں میں اپنے چھوٹے بیٹے کی وفات پر مرثیے کہے ہیں۔

فضل حق خیرآبادی کی وفات حسرت آیات پر بہت ہی دردانگیز اور پرسوز مرثیہ لکھا ہے اور ان کی علمی اور شخصی عظمت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے:

لقد مات مولانا الذی لا یماثله		اغر کریم النفس جم فواضله
فواضله جم و غر کانها		نجوم علی ان ترنهن فضائله
لقد کان ذا فضل وعلم وحکمة		له حجج عز و منها رسائله
لقد کان فیمن کان راسا وهامة		وما ذاك قولا باطلا انا قائله
لقد کان نحریرا جلیلا و مقتنا		لما دق من علم خفی مسائله
لقد کان بحرا لوجمعنا صفاته		لکان کتابا ثم کنا ند واله[۶]

مولانا احمد علی سہارنپوری جیسے عظیم محدث کی وفات پر مندرجہ ذیل دردناک شعر کہے ہیں:

دهانی بغتة امر مریم		فهام به فواد لا یهیج
فلما ان تحقق ان توفی		الهمام هما مه احتاج الاحیج
ایا من کان یجدی الناس نفعا		درجت ولم یغربك الدروج[۷]

اپنے رفیق خاص قاسم نانوتوی کی وفات سے انہیں جو گہرا صدمہ پہونچا اس کا اظہار ان شعروں سے ہوتا ہے:

نعی ناعیا حبس الکریم فاسمعا		نعیا یدق المتل همته فصدعا
جوادا جلیل الورمته بجندل		یدا مارث لم تلفه متمدما
سمعنا فعندنا از سمعنا نعیه		کمثل رماح لا تراهن مشرما

... ت ولم اسمع نداء اولا صدی وھل یسمعن من کان مثلی مفجعا

وکان معی دھرا افترق بینھا فصرنا کانا لم نبت لیلۃ معا

سھویا ستاتی القول والفعل صادقا اعز کریم النفس دنیا سید ما شہ

مدح و مرثیہ کے علاوہ مولانا نے شب و روز کی کہانی اور زندگی کے اہم ترین واقعات کی طرف اشارے کئے ہیں۔ دل پہ جو بھی گزر رہی ہے اسے رقم کیا ہے۔ بچپن کوائف اور جوانی کے دنوں کی یادوں کو کس خوبصورت انداز سے پیش کیا ہے؛

کان ... وکنت حرا بالغا وشربتہ عذبا فراتا سائغا

عھدت بہ ... مربعا ممرعا ورعیتہ روضا خصبا ثم فمضا

الم تر ان المال غاد و رائح وان الغنی مما تطیح الطوائح

ان الفتی من بعد ما فاتہ الغنی یعود کغصن حقیقتہ البوارح

ولکن اصابتنی مرارا کثیرا مصائب حتی استاصلنی الجوائح ۹

مولانا نے ایک شہر کی ہجو بھی کی ہے جہاں وہ بہت دنوں تک مقیم رہے تھے۔ درج ذیل شعروں سے اس کی وضاحت ہوتی ہے؛

لقد حللت علی بالی وبلبالی ببلدۃ ما بھا عم ولا خالی

ببلدۃ لا تری فیھا فتی کملت جیرانہ وجلیسانا عم البال

ببلدۃ قد خلت عن کل مکرمۃ وھل سمعتم بمصر فارغ خال

ببلدۃ ما بھا جھد و ماثرۃ وما بھا کریم النفس مفضال

اکبرھم الدنیا و مبلغھم من الوسائل ما کانت الی المال

ما کنت فیھم بمقذور ولا قذر ولا لدیھم بمقلی ولا قال

لو کنت فظا غلیظا جافیا جلفا لکنت فیھم طریدا من الحال

وما لکان ھذی الارض قاسیۃ قلوبھم کجلامید الاجبال

لانت صخور وما لانت قلوبھم فلم یزل وزلت ھم ادعال لہ

مولانا کی عربی شاعری کے بارے میں کوئی رائے دینے سے پہلے ہندوستان میں عربی شاعری

کا ایک عمومی جائزہ لینا زیادہ بہتر ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مسعود عالم ندوی (م ۱۹۵۴ء) کی یہ رائے بہت اہمیت کی حامل ہے کہ!

"مسعود بن سعد بن سلمان لاہوری، قاضی عبدالمقتدر شریحی، احمد تھانیسری، میر عبدالجلیل بلگرامی، سید طفیل محمد بلگرامی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، آزاد بلگرامی، فضل حق خیرآبادی اور فیض الحسن سہارنپوری جیسے فضلاء عربیت کے اساطین کہے جاسکتے ہیں حالانکہ ان کی تربیت و پرداخت عربیت کی فضا سے مختلف ماحول میں ہوئی اور ان کا وطن سرزمین عرب سے بہت دور ہے۔ کوئی بھی نقادان کے عربی کلام پر نقد و تبصرہ کر کے کچھ خامیاں ظاہر کرسکتا ہے جس کا ہمیں مطلق افسوس نہیں کیونکہ ہندوستان میں مختلف قوموں کے ربط و ضبط اور عربی ماحول سے بیگانگی وغیرہ ایسے صریح اسباب و علل ہیں جن کے پیش نظر یہ نتیجہ آسانی کے ساتھ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں عربی زبان کو بلند مقام اور ادبی فنون کو خاطر خواہ فروغ حاصل نہیں ہوا اس لیے ان حالات میں عربی شاعری کی حیثیت کا بلند نہ ہونا، کلام کا صنائع و بدائع سے ایک حد تک خالی ہونا اور اہل ہند کی عربی شاعری کا منظوم، موزون اور مقفی ہونا خصوصیت ہے اور بس"۔[۱۱]

اسی سے ملتی جلتی رائے ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کی بھی ہے: "اس میں شک نہیں ہے کہ فطری شاعر جس خوبی سلاست اور روانی کے ساتھ اپنی مادری زبان میں شعر کہہ سکتا ہے اس سے یہ امید رکھنا کہ وہ ایک اجنبی اور خاص کر عربی جیسی قدیم زبان میں اس طرح شعر کہے جس طرح اہل زبان کہتے ہیں، درست نہ ہوگا۔ شاعر جس ماحول میں پلتا ہے اور جس زبان کے الفاظ سے اس کے کان عہد طفولیت سے آشنا ہوتے ہیں ان میں جذبات و خیالات کا اظہار ایک طبعی امر ہے ایک اجنبی زبان میں جس کا ماحول، بندش اور ترکیب مختلف ہوتی ہے انہی خیالات و جذبات کا ظاہر کرنا اکتسابی اور مشکل ہے اس پر بھی ہندوستان کے شعراء نے جو قادرالکلامی دکھائی ہے وہ اہل زبان سے بھی خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔"[۱۲]

یہ ایک حقیقت ہے کہ شعر کا معاملہ نثر سے بہت مختلف ہے۔ عربی کے نثری ادب کے تناظر میں دیکھا جائے تو ہندوستان میں سید مرتضیٰ بلگرامی (م ۱۷۹۱ء) مصنف "تاج العروس شرح قاموس"، رضی الدین حسن صغانی (م ۱۲۵۲ء) مصنف "العباب الزاخر"، قاضی محمد اعلیٰ تھانوی صاحب "کشاف

اصطلاحات الفنون" جیسے جید علماء اور ادبا مل جائیں گے جن کی تحریریں عرب نژاد ادبا کے لئے بھی مشعل راہ ہیں۔ مگر "شعر چیزے دیگر است" اس لئے یہاں کے عربی کلام میں حد درجہ عجمی اثرات پائے جاتے ہیں۔ اور بقول ڈاکٹر زبید احمد: "یہاں کے بہترین شعراء بھی صرف عمدہ فن کار تھے جو حسین الفاظ سے کھیلنے کے سوا کچھ اور نہ کر سکے۔"[۳۱]

ویسے ہندوستان میں عربی کے بہترین شاعروں میں مسعود بن سعد سلمان، امیر خسرو، نصیر الدین چراغ دہلوی، قاضی عبد المقتدر شریحی، احمد تھانیسری، شاہ احمد شریعی، محمد بن عبد العزیز مالاباری، سید علی خاں ابن معصوم، سید عبد الجلیل بلگرامی اور علامہ آزاد بلگرامی صاحب مآثر الکرام کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اس پس منظر کے ساتھ مولانا کی شاعری کے مطالعہ کے بعد مجموعی طور پر یہ تاثر ذہن میں ابھرتا ہے کہ ان کی شاعری ہند نژاد عربی شعراء میں ایک خاص مقام رکھتی ہے اور محدود اصناف سخن میں طبع آزمائی کے باوجود ان کا شعری کردار بہت بلند نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے متنبی اور دیوان حماسہ کو ایک زمانے تک مطالعہ میں رکھا ہے اور تعلیم بھی دی ہے اس لئے عرب شاعروں کے افکار و خیالات اور محاسن کلام سے وہ بہت حد تک مانوس ہو چکے تھے۔ عربی فضاء ان کے لئے اس قدر مانوس ہو گئی تھی کہ ہندوستان میں بیٹھ کر عرب دنیا کے بارے میں سوچتے ہوئے کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ خود عرب دنیا میں موجود ہیں اور عربی کے اہم شعراء متنبی، ابو نواس، بشار بن برد بھی ان کے ساتھ ہیں۔

انھوں نے شاعری میں بھی سادہ اور سہل لفظیات کا استعمال کیا ہے۔ کلاسیکی شاعری سے متاثر ہونے کی وجہ سے ان کی شاعری کا رنگ بھی کلاسیکی نظر آتا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں کا انکی شاعری کے بارے میں یہ خیال ہے: "در نظم عربی کار نامہ شعراء عرب پیش می برد و در ایں فن ید بیضا می نماید" اس جملے میں گو کہ مبالغہ کا عنصر بھی ہے مگر اس سے ان کی عظمت ظاہر ہوتی ہے

۳- تصانیف پر ایک نظر:

مولانا نے علمی دنیا میں یادگار کے طور پر بہت سی تصانیف چھوڑی ہیں جو اپنے متعلقہ

موضوعات پر خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان میں سے اکثر نایاب یا کم یاب ہیں۔ ان کی جملہ تصانیف میں "تحفہ صدیقیہ، عروج المفتاح، ریاض الفیض، حل ابیات بیضاوی، شرح دیوان الحماسہ، تعلیقات الجلالین، گلزار فیض، ترتیب دیوان حسان قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں چند دستیاب کتابوں کا اجمالی تعارف پیش ہے۔

۱۔ تحفہ صدیقیہ :

یہ کتاب مشہور حدیث "ام زرع" کی توضیح و تشریح ہے جسے مولانا نے نواب صدیق حسن خاں کی فرمائش پر تحریر کیا ہے۔ یہ ان گیارہ عورتوں کی دلچسپ اور عبرت آموز کہانی ہے جنہوں نے ایک دوسرے سے یہ قسمیں کھائی تھیں کہ اپنے شوہر سے متعلقہ خبروں کو کسی طور پر بھی نہیں چھپائیں گی۔ شارحین حدیث نے اس کی مختلف طرح سے توضیحات پیش کی ہیں۔ مولانا نے ان لوگوں سے ہٹ کر ادبی انداز سے اس کی تشریح کی ہے۔ مستند اور کلاسیکی شعراء کے شعری استشہاد، لفظی، لغوی استناد اور تجزیے کی وجہ سے اس کی بہت اہمیت ہے۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مطبع خورشید عالم لاہور سے ۱۲۹۵ھ میں شائع ہوئی ہے۔

۲۔ شرح دیوان الحماسہ المعروف بالفیضی :

ابوتمام (م ۲۳۶ھ) عباسی دور کے ممتاز شاعر ہیں۔ انہوں نے ایک شعری انتخاب "دیوان الحماسہ" کے نام سے شائع کیا۔ اس انتخاب کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے اس کی مختلف شرحیں لکھی گئیں جن میں ابن جنّی (م ۳۹۲ھ) مرزوقی (م ۴۲۱ھ) اور خطیب تبریزی (م ۵۰۲ھ) کی شرحیں خاص طور پر تذکرے کے قابل ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس کی شرحیں ہوئیں مگر اس کے باوجود مولانا کے دل میں اس کی شرح لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کی وجہ بتلاتے ہوئے مولانا فیض نے ابتدائیہ میں لکھا ہے :

" دیوان حماسہ ایک زمانے سے مدارس اسلامیہ میں مقبول و متداول رہا ہے۔ اس کے اشعار کی توضیح و تشریح تبریزی نے کی ہے مگر طویل اور ضخیم ہونے کی وجہ سے عام طالب علموں کی دسترس سے باہر ہے اس لئے میرے دل میں دیوان کی شرح لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا اس میں دیو بند اور سہارنپور

کے طلبار کی محنتوں کا بھی خاص دخل ہے۔ میں نے اس کتاب میں اپنی تمام تر کوششیں لفظی تشریح و توضیح، مشکلات و معضلات کی تفہیم و تسہیل، شعری مفاہیم، پس منظر کے ساتھ سوانحی اشاریے پر مرکوز کردی ہیں۔ اور ادوار کے امتیازات و تفرقات کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اس شرح میں بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جس کا تذکرہ متقدمین میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔ اسے خوب سے خوب تر بنانے کے لئے تبریزی، اغانی، مقدمہ ابن خلدون، وفیات ابن خلکان، کامل، اصابہ اور اسد الغابہ کے مصنفین اور صنادید عربی ادب کی تحریروں سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔"[۴۱]

"مولانا کی یہ شرح جو "الفیضی" کے نام سے شائع ہوئی ہے انتہائی جامع اور مفید مطلب شرح ہے مصنف نے خود ہی اپنی انفرادیات اور وجدانیات کا ذکر کیا ہے۔ ہر شعر کی تشریح، بحر و قافیہ کا تعین شعراء کے سوانحی اشارے کی وجہ سے عام طالب علموں کے لئے ایک کام کی چیز ہے، مولانا کی یہ توضیح و تشریح تصنیف نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی ہے اور ۸۰۰ صفحات پر محیط ہے۔

۳۔ حل ابیات بیضاوی؛

عبداللہ بن عمر ناصر الدین (م ۶۸۵ھ) نے ایک تفسیر "انوار التنزیل و اسرار التاویل" کے نام سے لکھی ہے جو مدارس اسلامیہ کے نصاب میں متداول ہے۔ اس کی بہت سی شرحیں منظر عام پر آگئی ہیں ہندوستان میں اس پر سب سے مقبول حاشیہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) کا مانا جاتا ہے مولانا نے بھی طالب علموں کی خاطر اس کی ایک شرح لکھی ہے جس میں کلام پاک کے معانی کی تشریح میں پیش کئے گئے کلام شعراء عرب کی وضاحت کی ہے۔ ۱۲۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دہلی سے ۱۲۰۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

۴۔ تعلیقات الجلالین؛

جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے جو ایک کثیر التصانیف بزرگ ہیں جلال الدین محلی کے اشتراک سے ایک تفسیر لکھی جو "جلالین" کے نام سے مدارس عربیہ میں مشہور ہے۔ اس کی بہت ساری عربی اور اردو شروحات لکھی گئی ہیں۔ ہندوستان میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد

میں سے سلام اللہ (م ۱۸۱۳ء) نے "الکمالین" کے نام سے حاشیہ لکھا ہے اور علامہ تراب علی نے "الہلالین" کے نام سے۔ مولانا نے بھی اس کے مشکل الفاظ و تراکیب کو حل کرنے کے لیے ایک شرح لکھی جو ۱۸۷۰ء میں علی گڑھ سے چھپی۔

ان کے علاوہ سبع معلقہ کی ایک شرح ریاض الفیض ہے جو لاہور میں ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی۔ ان کی ایک تصنیف ضوء المشکوٰۃ ہے جس کا قلمی نسخہ ٹونک میں محفوظ ہے۔ انھوں نے حضرت حسان بن ثابت کے دیوان پر حواشی بھی لکھے ہیں جو متن کے ساتھ لاہور سے ۱۸۷۸ء میں شائع ہوا۔

۴۔ علمی اور ادبی مرتبہ :

مولانا کے علمی اور ادبی مرتبے کا تعین ان کے فنی شہ پاروں کے علاوہ ان جوہر قابل اور یگانہ روزگار تلامذہ سے کیا جا سکتا ہے جن میں سر سید احمد خاں (م ۱۸۹۸ء) علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) خواجہ الطاف حسین حالی (م ۱۹۱۴ء) وحید الدین سلیم پانی پتی (م ۱۹۲۸ء) عبد الحمید فراہی (۱۸۶۲ء – ۱۹۳۰ء) مفتی عبد اللہ ٹونکی (م ۱۹۲۴ء) خلیل احمد سہارن پوری (م ۱۳۴۶ھ) نذیر احمد سہسوانی (م ۱۳۰۹ھ) مولانا اسماعیل علی گڑھی (۱۲۶۳ھ) مشتاق احمد انبیٹھوی (۱۲۷۲ھ – ۱۳۶۰ھ) محمد عرفان بریلوی (۱۲۶۵ھ) عبد العلی میرٹھی (م ۱۳۴۰ھ) عبد الرحمن سہارن پوری (م ۱۳۴۶ھ) اصغر علی روحی (۱۸۶۷ء) عبد الجبار عمر پوری (۱۲۷۷ھ) ظفر الدین لاہوری (۱۲۷۵ھ) احمد الدین لاہوری محمد بن احمد ٹونکی (۱۲۷۳ھ) امیر باز خاں سہارن پوری جیسے اہم اور معتبر نام شامل ہیں۔ ان کی بلند مرتبت اور علمی عظمت کا اعتراف مشاہیر نے کیا ہے۔ متاخرین علماء نے بھی ان کی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی کا ان کی بلند شخصیت کے بارے میں یہ خیال ہے کہ :

"مولانا فیض الحسن اس زمانے کے اصمعی اور ابو تمام سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان کے پورے اسلامی دور میں قاضی عبد المقتدر کے سوا یہی ایک فرد تھا جو عربی شاعری کا صحیح مذاق رکھتا تھا ان کی شرح حماسہ اور دیگر ادبی تصنیفات اس کی شاہد عدل ہیں اور اب ان کا عربی دیوان بھی چھپ گیا ہے جو اہل زبان کی ٹکر کا ہے۔"[15]

ایک جگہ اور شبلی نعمانی کے ذیل میں سید سلیمان ندوی نے ان کی عظمت کا اعتراف یوں کیا ہے :

"مولانا فیض الحسن سہارنپوری پروفیسر اورینٹل کالج لاہور اس پایہ کے ادیب تھے کہ

خاک ہند نے صدیوں میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو۔ مولانا فیض الحسن صاحب کا بڑا فیض یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے عربی ادب میں انقلاب برپا کر دیا اور متاخرین سے ہٹا کر طلبہ کو قدیم شعرائے عرب کی طرف متوجہ کیا۔" [۱۶]

مولانا امین احسن اصلاحی کے بقول: "مولانا فیض الحسن مرحوم اس وقت اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے اور عربی ادب میں پورے ملک میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ادب میں مولانا شبلی بھی ان ہی کے شاگرد تھے۔" [۱۷]

مولانا کی علمی شہرت کی وجہ سے دور دراز سے طلباء اکتساب و استفادے کی خاطر آیا کرتے تھے اور اس وقت انساب و ایام عرب کے سلسلے میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی۔ پنجاب میں مولانا کی وجہ سے علم و ادب کی محفلیں گرم رہتی تھیں۔ مولوی عبداللہ قریشی کے خیال میں: "ان کے دم قدم سے پنجاب میں اردو کا باغ لہلہا رہا تھا ان کی موجودگی سے انجمن پنجاب کے مشاعروں میں بڑی رونق ہوتی تھی اور وہ اپنے لائق شاگردوں کے ساتھ اس کے مشاعروں میں شریک ہو کر داد سخن دیتے تھے۔" [۱۸]

علامہ شبلی نعمانی نے ان کی وفات کے بعد خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ایک دردناک مرثیہ لکھا جس کا ایک ایک لفظ محبت، عقیدت میں ڈوبا ہوا ہے اور ایک ایک حرف ان کی علمی عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ چند شعر اس مرثیے کے بھی دیکھئے:

"درین آشوب غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم	جہانے را جگر خون شد نہیں تنہا نہ من گریم
بہ تحسیں صبوری چند بفریبی مرا ناصح	دمے بگذار تا در ماتم فیض الحسن گریم
بہ مرگش علم و فن در نالہ با من ہم نوا باشد	ہنر بر خویشتن گرید چو من بی خویشتن گریم
نگویم من تو خود انصاف دہ تا از کہ می آید	عرب را زندہ کردن وانگہ از ہندوستان بودن
سخن را این چنین شیرازہ بستن تا کہ تواند	پس از وی دفتر معنی پریشان گشت و ابتر ہم
بارج پایہ اش من خود ندیدم در جہاں کس را	ولیکن مثل او ہرگز نہ بیند چشم اختر ہم" [۱۹]

ان کے علاوہ مولانا حمید الدین فراہی نے بھی مولانا کی شان میں ایک طویل عربی قصیدہ لکھا ہے۔ اور اپنے استاد کی عظمت، رفعت اور بلندی سے بھرپور عقیدت کا ثبوت دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا ایک جلیل القدر عالم، ادیب لبیب اور عظیم فن کار کی حیثیت سے ادبی دنیا میں جانے جاتے ہیں۔ اور ان کی انہی نمایاں علمی خدمات کی وجہ سے مولوی سعید اقبال قریشی نے لاہور یونیورسٹی سے ان کے فن و شخصیت کے مختلف

پہلوؤں سے متعلق ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔

حواشی

۱ تفصیل کے لئے، عبدالحی الحسنی: "نزہۃ الخواطر" (دائرۃ المعارف، حیدرآباد ۱۹۷۰) جلد ۸ ص ۳۶۶-۳۶۸، نواب صدیق حسن خاں "شمع انجمن"، (مطبوعہ شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۲ھ) ص ۳۷۹-۳۸۰، نظامی بدایونی: "قاموس المشاہیر" (مطبوعہ نظامی پریس بدایوں، ۱۹۲۶ء) جلد دوم ص ۱۳۲، عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی: "مفتی صدرالدین آزردہ حیات اور خدمات" (مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۷۷) ص ۱۰۷-۱۱۵؛ لالہ سری رام: "خمخانہ جاوید" (مطبوعہ دہلی ۱۹۱۰) جلد ۳ ص ۶۵۱، عبدالحی الحسنی: "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" ترجمہ ابو العرفان ندوی (مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۶۹) ص ۷۲، ۷۳، حامد حسن قادری: "داستان تاریخ اردو" (مطبوعہ لکشمی نرائن اگروال آگرہ، ۱۹۶۶ بار سوم) ص ۶۱۰-۶۱۱، "تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند" (ادارہ معارف اسلامیہ لاہور) جلد دوم ص ۲۰۳-۲۰۴) شیخ نذیر حسین: "مولانا فیض الحسن ادیب اور شاعر" مشمولہ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ (ستمبر ۱۹۹۰)، محمد اسماعیل پانی پتی: "ادیب اور مصنف" مجلہ "نقوش" پاکستان (لاہور نمبر فروری ۱۹۶۲) ص ۱۲۹۔

۲ لالہ سری رام: "خمخانہ جاوید" جلد ۳ ص ۶۵۱۔

۳ صدیق حسن خاں: "شمع انجمن" ص ۳۷۹-۳۸۰۔

۴ دیوان الفیض (مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۴۳ھ) ص ۲۲-۲۳۔

۵ دیوان ص ۲۳-۲۴۔

۶ دیوان ص ۵۶-۵۷۔

۷ دیوان ص ۱۰۔

۸ دیوان ص ۳۹۔

۹ دیوان ص ۴۱۔

۱۰ دیوان ص ۵۴-۵۵۔

۱۱ دیکھئے: عبدالرحمٰن کاشغری ندوی: "الزہرات" بحوالہ حامد علی خاں، "ہندوستان کی عربی شاعری"

(تحقیقی مقالہ، علی گڑھ) ص ۳۶۰ -

۱۲۔ دیکھئے: وحیدالدین عالی: "عقدالّلآلی" بحوالہ حامد علی خاں: "ہندوستان کی عربی شاعری" ص ۳۶ -

۱۳۔ ڈاکٹر زبیر احمد: "عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ" ترجمہ شاہد حسین رزاقی (مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور بار دوم ۱۹۸۷) ص ۲۴۳ -

۱۴۔ فیض الحسن سہارنپوری: "شرح دیوان الحماسہ" (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ) -

۱۵۔ دیکھئے، سید سلیمان ندوی: "یاد رفتگاں" (مطبوعہ اعظم گڈھ ۱۹۸۶ء) ص ۲۲ -

۱۶۔ دیکھئے، " " : "حیات شبلی" (مطبوعہ معارف اعظم گڈھ ۱۹۴۳) ص ۸۰-۸۴ -

۱۷۔ دیکھئے: بدرالرحمٰن ناصر اصلاحی (مرتب): "مختصر حیات حمید" ص ۳۰ -

۱۸۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے، محمد عبداللہ قریشی: "امام الادب مولانا فیض الحسن سہارنپوری" مشمولہ "المعارف" لاہور (جولائی ۱۹۷۷ء) ص ۴۶ -

۱۹۔ شبلی نعمانی: "کلیات شبلی" (فارسی) مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ ص ۴۴-۴۵، شبلی نعمانی "مجموعہ نظم" (مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۸۹۳ء) ص ۲۹-۳۰ -

تاریخِ ملت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک، خلافت راشدہ کا بیان خلافت بنی امیہ، خلافت ہسپانیہ، خلافت عباسیہ، تاریخ مصر، خلافت عثمانیہ، تاریخ صقلیہ اور اخیر میں سلاطین ہند کی مکمل تاریخ یہ سب نہایت جامعیت کے ساتھ اس کتاب میں یکجا موجود ہے۔

کتاب گیارہ حصوں میں مکمل ہے۔ ہر حصہ اپنے مضمون پر بجائے خود بھی مکمل ہے۔

کامل سیٹ کی قیمت غیر مجلد: ۳۸۵/ روپے

" " " مجلد: ۴۲۰/ "